تم بڑے خود غرض ہو

اچھی بات معلوم ہو گئی لیکن دوسروں کو نہیں بتاتے

بُری بات کو جانتے ہو لیکن دوسروں کو نہیں روکتے

کیا اپنے دوستوں کے ساتھ یہی تمھاری دوستی ہے ؟

اللہ تعالیٰ ایسے مسلمانوں کو پسند فرماتا ہے

جو لوگوں کو نیک کام کرنے کے لیے اُبھاریں

اور انھیں بُرے کاموں سے روکیں ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا :۔

بھلا اس شخص سے زیادہ بھلی بات

اور کس کی ہو سکتی ہے ـــــــ جو

اللہ کی طرف بُلائے

خود اچھے کام کرے

اور کہے کہ میں تو اللہ کے فرماں برداروں میں ہوں ۔

(قرآن)

سلسلہ نمبر ۳۰۱

پندرہ روزہ

الحسنات

رام پور (یوپی)

مدیر:- ابوسلیم محمد عبدالحی

جلد ۲۸ | نومبر دوم ۱۹۶۰ء جمادی الاول ۱۳۸۰ھ | نمبر ۱۰

ترتیب

یہ ہے کمیونسٹ چین!

سالانہ چندہ -/8/6 - ممالک غیر سے ۱۰ شلنگ - فی کاپی چار آنے

سُرخ نشان

اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر اول کے پرچے کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ اب آپ فوراً یہ فیصلہ فرمالیں کہ آیندہ آپ الحسنات کا مطالعہ جاری رکھیں گے یا نہیں؟

ہمیں یقین ہے کہ اس مدت میں آپ نے الحسنات کو اپنے لیے، اپنے گھر والوں اور دوستوں کے لیے بے حد مفید پایا ہوگا۔ اس کا

- مسلسل درس قرآن
- خطبات
- بامقصد کہانیاں
- دنیا کے حالات پر تبصرہ

اور دوسرے دینی اور معلوماتی مضامین ذہنوں کو اسلامی سانچوں میں ڈھالنے کے لیے انتہائی کارآمد ثابت ہو رہے ہیں۔ جن گھروں میں الحسنات مسلسل پڑھا جارہا ہے وہاں ماحول سے غلط اثرات قبول کرنے کے بدلے ایک دینی ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ الحسنات اپنی آسان زبان کی وجہ سے عام خواتین اور نوعمروں میں اور ان علاقوں کے رہنے والوں میں جہاں اُردو عام نہیں ہے بہت زیادہ مقبول ہو رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ یہ اطلاع پاتے ہی سالانہ چندہ ساڑھے پانچ روپے منی آرڈر کے ذریعہ فوراً بھیج دیں گے۔ اور اگر خدانخواستہ آپ کسی وجہ سے رسالہ جاری رکھنا پسند نہ فرمائیں تو بواپسی ڈاک اپنے ارادہ سے مطلع فرمادیں۔

خریداری نمبر کا حوالہ ہرگز نہ بھولیے۔ اگر آپ کی طرف سے رقم یا انکاری اطلاع نہ ملی تو ہم یہی سمجھیں گے کہ آپ کو وی پی کا انتظار ہے اور الحسنات کا انتخاب نمبر وی پی سے بھیجا جائے گا۔ وی پی چھ روپے چھ نئے پیسے کا ہوگا۔

پاکستان میں رقم صوفی نذر احمد صاحب، شفیق ہوٹل، گڑھی شاہو، لاہور۔ کے پتہ پر بھیج کر رسید ہمیں بھیج دیجیے۔

منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احساسات

اس سے پہلے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کسی تہذیب کے باقی رہنے اور ترقی کرنے کے لیے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اس سے تعلق رکھنے والوں کے دل و دماغ میں زندگی کا وہ نقشہ اچھی طرح جما ہوا ہو جسے وہ تہذیب پیش کرتی ہے اور یہ لوگ اسی کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ بنانے کا فیصلہ کر چکے ہوں۔ یہی شرط اسلام کے باقی رہنے اور اس کے ترقی کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ اور اس کے پورا ہونے کے لیے جیسا کہ اس سے پہلے کہا جا چکا ہے، ایک صحیح نظامِ تعلیم اور مناسب انتظامِ تربیت کی ضرورت ہے۔ آج کی صحبت میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ موجودہ حالات میں ہم اس ضرورت کو کس طرح اور کس درجے میں پورا کر سکتے ہیں۔

اوپر بیان کی گئی غرض کو پورا کرنے کے لیے جو تعلیم ہوگی وہ اپنے مقصد اور مدعا کے لحاظ سے اس تعلیم سے بالکل مختلف ہوگی جو آج کل عام طور پر محض معاشی اغراض کو سامنے رکھ کر حاصل کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو موجودہ حالات میں سب سے اہم مشورہ یہی دیا جا سکتا ہے کہ وہ یہ تصور ذہن سے بالکل نکال دیں کہ تعلیم کے ذریعہ وہ اپنا معاشی مسئلہ حل کر لیں گے۔ ایک تو یوں بھی یہ تصور مسلمانوں کے لیے بالکل صحیح نہیں ہے کہ تعلیم کے بعد اُن پر بھی سرکاری ملازمتوں کے دروازے اسی طرح کھل سکیں گے جس طرح وہ غیر مسلموں پر کھلتے ہیں۔ ہر شخص کو اس بات کا عملی تجربہ ہوگا کہ اب سرکاری ملازمتوں میں کسی مسلمان کا داخلہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ جو لوگ سرکاری ملازمتوں میں ہیں یا جو اُن کے حاصل کرنے کے لیے دوڑ بھاگ کر چکے ہیں وہ اس منزل کی مشکلوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اور یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ جو لوگ سرکاری ملازمتوں میں ہیں یا جو داخل ہو رہے ہیں انھیں یہ قربانی تو دینا ہی پڑتی ہے کہ چاہے وہ نام کے مسلمان ہوں تو ہوں لیکن کم سے کم اُن میں اسلامی خصوصیات بہت زیادہ اُبھری ہوئی نہ ہوں۔ اس لیے پہلی ضرورت تو اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے معاشی مسئلے کے حل کے طور پر سرکاری ملازمتوں کے خیال سے تعلیم حاصل کرنے کا تصور بالکل ذہن سے نکال دیں۔ معاشی مسئلہ حل کرنے کے لیے انھیں تجارت، صنعت، کاشتکاری، اور دوسرے آزاد پیشوں کی طرف توجہ دینا چاہیے۔ اور اپنے بچوں کو اسی قسم کے کام سکھانا چاہییں۔ اس میدان میں معمولی کام بھی کیے جا سکتے ہیں اور اونچے سے اونچے کاموں کو بھی ہاتھ میں لیا جا سکتا ہے۔ تعلیم حاصل کرتے وقت ان ضروریات کو پورا کرنے کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔

اس وقت مسلمانوں کی سمجھ میں اگر ایک بات آجائے تو وہ دیکھیں گے کہ باوجود معاشی میدان کی تنگی کے اُن کے لیے اس میدان میں بھی کافی گنجائش نکل آئے گی۔ اس وقت حال یہ ہے کہ اخلاقی اعتبار سے تقریباً ہر قسم کے کاروباری لوگوں کا دیوالہ نکل چکا ہے۔ مادّی مفاد کی انتہائی بڑھی ہوئی طلب، خود غرضی اور دولت جمع کرنے کی ہوس نے تقریباً تمام اہلِ معاملہ کو باہم بے اعتمادی، دھوکہ دہی اور غلط طریقے پر ایک دوسرے کا مال کھا لینے کی وبا میں ایسا گرفتار کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو ایک بڑی مصیبت میں گھرا ہوا پاتا ہے اور اسے کوئی راہ نظر نہیں آتی کہ وہ اس مصیبت سے کس طرح جان بچائے۔ سوچنے کا ڈھنگ کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ ایک شخص کو کسی کی بدمعاملگی سے نقصان

پہنچتا ہے یا اسے اس کے برتاؤ سے رنج پہنچتا ہے تو اس کے اندر رَدِّ عمل کے طور پر اس سے آگے بڑھ کر بدمعاملگی کرنے اور روپیہ کمانے کا جذبہ ابھرتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ آگ دن دونی اور رات چوگنی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ روتا ہر ایک ہے لیکن علاج کسی کے بس میں نہیں۔ ایسے موقع پر اگر مسلمان ــــــ وہ مسلمان جو آخرت کی جواب دہی کا یقین رکھتے ہوں، جنھیں اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے کا خوف ہو اور جو ہر قیمت پر اخلاق اور دیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا فیصلہ کر چکے ہوں ــــــ کاروبار، صنعت اور دوسرے معاشی میدانوں میں پوری دیانت اور امانت کے ساتھ حصہ لیں گے تو یقیناً ان کے وجود کی اہمیت بہت جلد محسوس کر لی جائے گی۔ ایک طرف تو اُن کے اخلاقی رَوَیّئے کی وجہ سے اُن کی دعوت اور اُن کے مسلک کی طرف لوگوں کی توجہ ہوگی۔ دوسری طرف وہ معاشی میدانوں میں ایسا اعتماد اور اعتبار حاصل کر لیں گے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے لیے رزق کے دروازے کھولے گا اور وہ دیکھیں گے کہ ہر میدان میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔

اس مشورے کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اصل میں تو اخلاق اور دیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا فیصلہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے حضور سرخرو ہونے کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے فضل سے اس بات کی پوری امید بھی رکھتے ہیں کہ وہ اُن پر رزق کے دروازے بند نہیں فرمائے گا۔ اور ان کے لیے آسانیاں اور سہولتیں فراہم فرمائے گا۔

بعض لوگ کچھ اس طرح سوچتے ہیں کہ اب جب کہ ہر طرف بے ایمانی اور بدمعاملگی کا دَور دَورہ ہے اگر ہم تنہا دیانت اور امانت کے اصولوں پر عمل کریں گے تو ہم اپنا کاروبار دو دن نہ چلا سکیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض کاموں کے سلسلے میں اُن کا یہ احساس درست ہو، یقیناً کسی غلط ماحول میں صحیح روش اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی دریا میں بہاؤ کے خلاف سمت میں تیرنا۔ لیکن اس کے باوجود ابھی حالات اتنے نہیں بگڑے ہیں کہ ہر کاروبار کی حالت ایسی ہی ہو۔ بلکہ اس کے برخلاف بہت سے کام ایسے ہیں کہ اگر اُن میں لوگوں کو کسی کے بارے میں امانت اور دیانت کا تجربہ ہو جائے تو پھر اس کام میں لازماً ترقی ہوتی ہے۔ اور ایسے لوگ بہت جلد اپنا ایک مقام پیدا کر لیتے ہیں۔

بہرصورت جو لوگ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے کسی اچھے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچتے ہیں اور جو مسلمانوں کے مسائل کو سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں انھیں سب سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ اپنی نسلوں کے لیے تعلیم کا جو پروگرام بھی بنائیں اس کا تعلق کسی اعتبار سے بھی سرکاری ملازمتوں سے نہ ہوگا۔ وہ امتحانات کے چکّر اور ڈگریوں کی ہوس سے اپنے ذہن کو خالی کر کے اپنے لیے تعلیم کا کوئی نقشہ بنائیں گے۔

تعلیم کا کوئی ایسا نقشہ سامنے لانے سے پہلے جس کا تعلق مروجہ امتحانوں اور سرکاری اداروں سے نہ ہو۔ ایک اور خیال کی اصلاح بھی ضروری ہے جس کا اظہار کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے ہوتا رہتا ہے جو اگرچہ موجودہ نظامِ تعلیم کی خرابیوں کو بھی جانتے ہیں، لیکن وہ کچھ اس طرح سوچتے ہیں کہ جب تک ہمارے نوجوانوں کو جدید جاہلی فلسفوں اور غیر اسلامی افکار و نظریات کا علم نہ ہوگا وہ اُن کے خلاف کس طرح لڑ سکیں گے۔ ان کے خیال میں ہر مصلح کو پہلے ایک ایک خرابی سے دو چار ہونا چاہیے۔ اسی صورت میں وہ صحیح علاج پیش کر سکتا ہے۔ یہ خیال بھی ایک دھوکا ہے۔ جو دراصل سوچنے والے کی اس ذہنی کمزوری کا پتہ دیتا ہے کہ اس نے ابھی حق کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق ہے۔ اپنے نوجوانوں کو موجودہ تعلیمی نظام میں داخل کر کے جاہلی فلسفوں اور گمراہ افکار کو اس خیال

سے پڑھوانا کہ یہ نوجوان انھیں پڑھ کر ان کے مقابلے میں اسلامی افکار کو پیش کریں گے اور ان کا رَد کریں گے، بالکل ایسی ہی جُرأت ہے جیسے کوئی کسی کو یہ مشورہ دے کہ پہلے تم کچھ زہروں کو چکھ کر اور پی کر اُن کے مُضر اثرات کے بارے میں شخصی تجربہ حاصل کر و، تاکہ اس کے بعد تم ان زہروں کا کوئی اچھا اور کارگر علاج تجویز کر سکو ——— پہلی صورت میں ایمانی اور روحانی زندگی اسی طرح خطرے میں ہے جس طرح دوسری صورت میں جسمانی زندگی۔

جو لوگ اس طرح سوچتے ہیں وہ ایک اور حقیقت کو بھی سامنے نہیں رکھتے۔ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ منطق اور فلسفے کی قوت سے آپ لوگوں کے خیالات بدل ڈالیں۔ اسلام کی انقلابی تاریخ آپ کے سامنے ہے، جس دَور میں اسلام کو قوت حاصل ہوئی، اور وہ دنیا کی ایک زبردست طاقت بن کر اُبھرا اُس وقت اس کی پُشت پر نہ فلسفیانہ دلائل تھے اور نہ منطقی موشگافیاں، بلکہ اس کی تمام قوت کا مدار وہ اخلاق اور کردار تھا جو عقیدے کی پختگی اور ایمان اور عمل کی بنیاد پر پیدا ہوتا تھا۔ اسی نے دنیا کے ذہنوں کو متاثر کیا اور اسی کے بَل پر اسلام دیکھتے دیکھتے ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن گیا۔ اسلامی انقلاب لانے اور تحریکِ اسلامی کو پھر سے ایک متحرک قوت بنانے کے لیے ہرگز اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کے داعی پہلے مُلحدانہ فلسفوں اور کافرانہ افکار و نظریات کا براہِ راست علم حاصل کریں اور پھر اس کا توڑ کریں۔ بلکہ اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے داعیوں کو قرآن اور سنت کا اچھا علم حاصل ہو۔ قرآن کے طرزِ استدلال اور سنت کے طرزِ تربیت پر ان کی گہری نظر ہو، اور اس علم کے ساتھ خود اُن کے اندر پختہ یقین ہو، اور ان کا ہر عمل اس علم اور یقین کے مطابق ہو جو انھیں قرآن اور سنت سے حاصل ہو۔

اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ ہمیں جس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے اس کا انتظام کس طرح ہو سکتا ہے اور موجودہ حالات میں ہم اس ضرورت کو کس حد تک اور کس طرح پورا کر سکتے ہیں؟ (باقی آیندہ)

(بقیہ مضمون صفحہ ۶)

پورا کرنے سے بھاگتے ہیں۔ یہ ہر ایسی دعوت کو دور سے ہی سلام کرتے ہیں جس کے قبول کرنے کے ساتھ ہی یتیموں اور مسکینوں کے حقوق ادا کرنا پڑیں۔ دولت حاصل کرنے میں ہر ہر قدم پر حلال اور حرام کی تمیز کرنا پڑے۔ خود تنگی اٹھا کر دوسروں کی مدد کرنا ہو۔ اور دوسروں کی خاطر اپنے حقوق سے بھی دست بردار ہونا پڑے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۷)

قرآن اور سیرت کا فہم صحیح۔ اور جتنا زیادہ ناقص ہوگا اُتنا ہی دونوں کا فہم ناقص ہوگا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن اور سیرت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دونوں ہی بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ کوئی انسان یہ چاہے کہ ان کے تمام معانی اور فوائد و برکات کا احاطہ کر لے، تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ جس چیز کی کوشش کی جا سکتی ہے وہ بس یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو، آدمی ان کا زیادہ سے زیادہ صحیح فہم حاصل کر لے۔ اور ان کی مدد سے روحِ دین تک رسائی پالے۔

(از دیباچۂ کتاب "محسنِ انسانیت" مرتبہ نعیم صدیقی)

درس قرآن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

كَلَّا بَلۡ لَّا تُكۡرِمُوۡنَ الۡيَتِيۡمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِ ۝ وَتَاۡكُلُوۡنَ التُّرَاثَ اَكۡلًا لَّـمًّا ۝ وَّتُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ (الفجر آیت ۱۷ تا ۲۰)

نہیں ___ بلکہ تم لوگ یتیموں کی خاطرداری نہیں کرتے۔ اور نہ لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتے ہو کہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ اور تم میراث کے مال کو سمیٹ سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور تمھیں دولت سے بے حد محبت ہے۔

تشریح

انسان اپنی غلط روش کے لیے بہت سے بہانے تلاش کرتا ہے کبھی کوئی عذر پیش کرتا ہے اور کبھی کوئی دلیل سامنے لاتا ہے۔ حالانکہ اصل مرض کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ ان آیتوں میں اسی مرض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ یہ جو تم کبھی کچھ کہتے ہو اور کبھی کچھ۔ یہ سب غلط ہے۔ اصل بات کچھ اور ہے۔ تمھارے دل میں دولت کی محبت سما گئی ہے۔ تمھیں مال بہت عزیز ہے۔ اور دولت کی اس محبت کا نتیجہ ہے کہ تم نے بہت سی اخلاقی خوبیوں کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ انسانیت شرافت اور ہمدردی اور محبت کے جذبات تمھارے اندر سے مٹ رہے ہیں۔ تم اپنے سامنے بے سہارا لوگوں کو دیکھتے ہو لیکن تمھیں ان کے لیے کچھ صرف کرتے موت آتی ہے۔ تم دولت کا مصرف صرف یہی جانتے ہو کہ یا تو اس سے خود عیش کیا جائے یا پھر اُسے اور زیادہ دولت کمانے کے لیے لگایا جائے۔ کسی یتیم کی مدد کر دینا، کسی بیکس کی خبرگیری کر لینا تمھارے نزدیک بالکل بے کار کام ہیں۔ ان سے تمھیں تو کچھ ملتا ہی نہیں۔ ایسے کاموں کو تم بے وقوفی کے کام کہتے ہو۔ نہ خود کرتے ہو اور نہ دوسروں کو ایسی حماقت کرنے کا مشورہ دیتے ہو۔ مسکینوں، محتاجوں اور غریبوں کی مدد کرنا تمھاری نظر میں ایک بالکل فضول کام ہے۔ تم تو صرف دولت کے پجاری ہو۔ ہر وقت اسی دھن میں رہتے ہو کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ مال حاصل کیا جائے ہر آن اسی فکر میں رہتے ہو کہ اگر بغیر کسی محنت کے دولت مل جائے تو اچھا ہے۔ تمھاری نظریں مُردوں کے مال پر رہتی ہیں، جہاں کوئی عزیز مرا، اور تمھیں یہ فکر ہوئی کہ کسی طرح اس کی میراث پر قبضہ کیا جائے چاہے اپنا حق ہو یا نہ ہو تمھیں مال سمیٹنے سے مطلب۔ دوسروں کا حق مار کر تم اپنی دولت بڑھانے کی تدبیریں کرتے ہو۔ تمھیں تو دولت سے عشق ہے۔

یہ ہے ایک ہلکا سا نقشہ ان لوگوں کا جو اللہ کے دین سے منہ موڑتے ہیں اور قرآنی ہدایت کی طرف سے جن کے کان بہرے رہتے ہیں۔ ان کا اصل مرض یہی ہے کہ جس بات میں دولت کا نقصان دکھائی دیتا ہے اس میں یہ سیکڑوں عیب نکالتے ہیں، اور اس سے دور ہی رہنا چاہتے ہیں۔ بات ان کی سمجھ میں آجاتی ہے حق اُن پر واضح ہو جاتا ہے لیکن یہ حق کے تقاضے (بقیہ صفحہ ۵ پر)

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کی نعمت ہر زمانے میں انسان کو دو ہی ذرائع سے پہنچی ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کا کلام، دوسرے انبیا علیہم السلام کی شخصیتیں، جن کو اللہ نے نہ صرف اپنے کلام کی تبلیغ و تعلیم اور تفہیم کا واسطہ بنایا بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت و رہنمائی کے منصب پر بھی مامور کیا، تاکہ وہ کلام اللہ کا ٹھیک ٹھیک منشا پورا کرنے کے لیے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی تعمیر صالح کر دکھائیں!

یہ دونوں چیزیں ہمیشہ سے ایسی لازم و ملزوم رہی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کسی سے الگ کر کے نہ انسان کو کبھی دین کا صحیح فہم نصیب ہو سکا اور نہ وہ ہدایت سے بہرہ یاب ہو سکا۔ کتاب کو نبی سے الگ کر دیجیے تو وہ ایک کشتی ہے ناخدا کے بغیر جسے لے کر اناڑی مسافر زندگی کے سمندر میں خواہ کتنے ہی بھٹکتے پھریں، منزل مقصود پر کبھی نہیں پہنچ سکتے، اور نبی کو کتاب سے الگ کر دیجیے تو خدا کا راستہ پانے کی بجائے، آدمی ناخدا ہی کو خدا بنا بیٹھنے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ یہ دونوں ہی نتیجے پچھلی قومیں دیکھ چکی ہیں۔ ہندوؤں نے اپنے انبیاء کی سیرتوں کو گم کیا اور صرف کتابیں لے کر بیٹھ گئے، انجام یہ ہوا کہ کتابیں ان کے لیے لفظی گورکھ دھندوں سے بڑھ کر کچھ نہ رہیں۔ حتیٰ کہ آخر کار خود انھیں بھی وہ گم کر بیٹھے۔ عیسائیوں نے کتاب کو نظرانداز کر کے نبی کا دامن پکڑا، اور اس شخصیت کے گرد گھومنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی چیز انھیں نبی اللہ کو ابن اللہ بلکہ عین اللہ بنانے سے باز نہ رکھ سکی۔

پرانے دور کی طرح اب اس نئے دور میں بھی انسان کو نعمتِ اسلام میسر آنے کے وہی دو ذرائع ہیں جو ازل سے چلے آ رہے ہیں ایک خدا کا کلام، جو اَب صرف قرآن پاک کی صورت ہی میں مل سکتا ہے۔ دوسرے اُسوۂ نبوت، جو اَب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہی میں محفوظ ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام کا صحیح فہم انسان کو اگر حاصل ہو سکتا ہے تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن، سے سمجھے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا اس نے اسلام کو سمجھا، ورنہ فہمِ دین سے بھی محروم رہا، اور نتیجتاً ہدایت سے بھی۔

پھر قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں چونکہ ایک ہی مشن رکھتے ہیں، ایک مقصد و مُدعا کو لیے ہوئے آئے ہیں، اس لیے ان کو سمجھنے کا انحصار اس پر ہے کہ ہم ان کے مشن اور مقصد و مدعا کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔ اس چیز کو نظرانداز کر کے دیکھیے تو قرآن عبارتوں کا ایک ذخیرہ، اور سیرت پاک، واقعات و حوادث کا ایک مجموعہ ہے۔ آپ لُغت اور روایات اور علمی تحقیق و کاوش کی مدد سے تفسیروں کے انبار لگا سکتے ہیں۔ اور تاریخی تحقیق کا کمال دکھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے عہد کے متعلق صحیح ترین معلومات کا ڈھیر لگا سکتے ہیں۔ مگر روحِ دین تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ عبارات اور واقعات سے نہیں، بلکہ اس مقصد سے وابستہ ہے جس کے لیے قرآن اتارا گیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی علمبرداری کے لیے کھڑا کیا گیا۔ اس مقصود کا تصور جتنا صحیح ہوگا اتنا ہی (بقیہ ص۵۰ کالم ۲ پر)

اسلامی معاشرہ

محمد یوسف اصلاحی

اِسلامی معاشرے کی ایک جھلک

(۶) عَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى۔ (بخاری، مسلم)

"نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و محبت اور رحم و مہربانی کرنے میں ایسا پاؤ گے جیسا کہ ایک انسانی جسم، کہ اگر ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے دوسرے حصے بھی بے خوابی اور بخار میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔"

مسلمانوں کے قابلِ رشک معاشرے کی یہ ایک دلکش تصویر ہے۔ ہمدردی، محبت، خلوص، خیر خواہی اور وفاداری کی بنیادوں پر بننے والے اس معاشرے میں افراد کے درمیان اتنی قربت، یگانگت اور اتحاد ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک ہی جسم کے مختلف اعضاء ہیں۔ اور جس طرح کسی ایک عضو کی تکلیف سے دوسرے اعضاء پریشان اور بے قرار ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح کسی ایک مسلمان کی تکلیف سے سوسائٹی کے دوسرے مسلمان بھی بیتاب و پریشان ہو جاتے ہیں ـــــ ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہوتی ہے، اور ایک کی بے چینی سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ یہ محبت و ہمدردی اسلامی معاشرے کی ایک لازمی صفت ہے۔ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے ہمدرد، مہربان اور شفیق و غم گسار ہوتے ہیں۔

(۷) عَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ اِشْتَكٰى كُلُّهُ، وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسُهُ اِشْتَكٰى كُلُّهُ۔ (مسلم)

"نعمان ابن بشیرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام مومنین گویا ایک شخص کی طرح ہیں کہ اگر ایک آنکھ دکھتی ہے تو اس کا سارا ہی جسم دکھتا ہے۔ اور اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا سارا جسم دکھتا ہے۔"

اسلام میں ایک دوسرے سے الگ اور بکھرے ہوئے مسلمانوں کا کوئی تصور نہیں۔ وہ تو ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے جس میں مسلمان آپس میں اس طرح پیوست ہوں جس طرح ایک جسم کے تمام اعضاء۔

کفر کی سب سے نمایاں خرابی آپس کا بغض اور افتراق ہے۔ اور اسلام کی سب سے نمایاں خوبی آپس کی اخوت اور اتحاد ہے۔ اسلام سے پہلے "حیاتِ کفر" کی سب سے بڑی اور اولین خرابی یہی افتراق اور آپس کی عداوت قرار دی گئی ہے۔

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً — جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے

اور "اسلامی حیات" کی سب سے نمایاں اور اولین خوبی اتحاد اور باہمی اخوت بتائی گئی ہے۔

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔　　پھر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈال کر جوڑ دیا۔ اور تم اللہ کی نعمت اسلام کی بدولت آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

آپس کی محبت، ہمدردی اور ایثار کی جو اعلیٰ مثال اسلامی معاشرے نے مدینہ میں پیش کی ہے اخلاق و تمدن کی پوری تاریخ اس سے یکسر خالی ہے۔

اوس اور خزرج یمن کے رہنے والے دو بھائی ——— ان دونوں کی اولاد مدینہ میں قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج کے نام سے آباد تھی دونوں میں زمانۂ دراز سے لڑائیاں ہوتی چلی آرہی تھیں۔ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے لیکن اسلام کی بدولت دونوں آپس میں اس طرح شیر و شکر ہوگئے کہ گویا ان کو کسی نے "بھولی ہوئی بات" یاد دلائی کہ وہ دونوں بھائیوں کی اولاد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار رضؓ کے درمیان "رشتۂ اخوت" قائم فرمایا تھا اس رشتہ کا انصار نے جس طرح پاس و لحاظ کیا اور خلوص و ایثار کی جو مثالیں قائم کیں وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔

حضرت سعد ابن ربیع رضؓ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ کے اسلامی بھائی بنائے گئے تو انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ عبد الرحمٰن رضؓ میرا آدھا مال لے لیں اور میری دو بیویوں میں سے ایک سے نکاح کرلیں، عبد الرحمٰن رضؓ نے سنا تو بے اختیار حضرت سعد رضؓ کے حق میں دعا فرمائی۔ (بخاری ج صلہ)

بحرین میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو زمین دینی چاہی تو انھوں نے صرف اس بنا پر لینے سے انکار کردیا کہ مہاجرین کو بھی اسی قدر زمین ملنی چاہیے۔ (بخاری جلد ۱ ص)

مہاجرین جس وقت مدینہ پہنچے تو ان کے پاس کچھ نہ تھا، انصار رضؓ نے اپنی جائدادیں اُن کے لیے علیحدہ کردیں۔ لیکن حضور ؐ نے انکار فرمایا، تو انصار رضؓ نے تجویز پیش کی کہ "مہاجرین ان کی زمینیں جوتیں بوئیں اور اس محنت کے معاوضہ میں آدھے پھل لے لیا کریں" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خود مہاجرین نے اس تجویز کو پسند کیا۔ (مسلم جلد ۱ ص)

پھر اسلامی معاشرہ میں رنگ و نسل اور دولت و منصب کے لحاظ سے کسی کو کوئی بڑائی اور برتری نہیں ہوتی۔ سارے ہی انسان برابر ہوتے ہیں، بڑائی کا معیار صرف خدا کا تقویٰ ہوتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں اعلان فرمایا:-

"لوگو! تمھارا پروردگار ایک ہے، تم سب کا باپ ایک ہے، تم سب آدمؑ کی اولاد ہو، اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ خدا کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے سوا کسی بنیاد پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔"

ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے بکری پکانے کو کہا، ایک صحابی نے کہا، میں اس کو ذبح کروں گا۔

دوسرے نے کہا، میں اس کی کھال اتاروں گا۔

تیسرے نے کہا، میں اسے پکاؤں گا۔

آنحضرت ؐ نے فرمایا، میں لکڑیاں چن کر لاؤں گا۔

صحابہ رضؓ نے عرض کیا　　یارسول اللہ ہم کافی ہیں، ہم کرلیں گے۔

آپ نے فرمایا بے شک تم کافی ہو یہ کام کر لوگے، لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں اپنے لیے کوئی امتیازی برتاؤ رکھوں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی بندہ اپنے ساتھیوں میں خود کو ممتاز رکھے۔

ایک مرتبہ عید کے دن آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں کچھ بچے کھیل کود رہے تھے۔ ایک بچہ نہایت غمگین اور افسردہ، سب سے الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا۔ آپؐ اس بچے کے پاس گئے اور اس سے پوچھا "بھئی تم نہیں کھیلتے؟" لڑکے نے کہا "یا رسول اللہ! میں یتیم ہوں، میری ماں نے دوسری شادی کر لی ہے کوئی نہیں جو میری سرپرستی کرے۔"

حضورؐ نے اس سے فرمایا،

کیا تم اس بات کو پسند نہ کروگے کہ محمدؐ تمھارے باپ ہوں، عائشہؓ تمھاری ماں ہوں، اور فاطمہؓ تمھاری بہن — بچہ خوش ہو گیا — اور قسمت نے اس کا ساتھ دیا کہ وہ باپوں میں سے سب سے بہتر باپ، ماؤں میں سے سب سے برتر ماں اور بہنوں میں سے سب سے افضل بہن کے دامنِ شفقت میں پہنچ گیا۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ ایک مرتبہ گرمیوں کی دوپہر میں آرام فرما رہے تھے اور ایک لونڈی آپ کو پنکھا جھل رہی تھی۔ پنکھا جھلتے جھلتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پنکھا اٹھایا اور لونڈی کو جھلنے لگے۔ اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی،

امیرالمومنین! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

امیرالمومنین نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا،

"میری طرح تم بھی انسان ہو، تم کو بھی گرمی لگتی ہے جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں، اگر میں نے بھی جھل دیا تو اس میں کون سا حرج ہے؟"

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

میں اس طرح تھوڑی کام کرتی ہوں جس طرح تم نے دب کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ تو اچانک ایک بات سے میاں آصف مان گئے۔ میں "سوتیا چاہ" کی ایک آندھی اٹھاؤں گی جسے عرفِ عام میں "تحریک" کہتے ہیں۔ اور سب سے پہلے اپنے شوہر کو آمادہ کروں گی۔ میں نے تمھارا خط من وعن انھیں بھیج دیا ہے، اور انھیں بلایا ہے۔ تم اگلے مہینے میرا انتظار کرو، میں انھیں لے کر آتی ہوں، اور پھر دیکھنا تم کیا کرتی ہوں میں۔ تن من دھن سے اب یہی مجھے کرنا ہے۔ بس اب خط و کتابت بند کرو، اور "سوتیا چاہ" کی تحریک کے بارے میں سوچو۔ اللہ ہمارا مالک ہے۔ بہن عاطرہ نذیر کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہو، اور میاں آصف کو بھی۔ اچھا بس میں نے قلم رکھ دیا، اور اب قدم اٹھانے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ مجھے اپنے پاس سمجھو۔ والسلام

"دُھن کی پکی" تمھاری زرینہ"

(دوسری قسط)[۱]

(۶)

باجی! آپ پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو، اور ان سب پر بھی جو اللہ کے حکموں پر چلنے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کو اپناتے ہیں۔ میں جو کہانی آپ کو سنانا چاہتی ہوں، اس کے سنانے سے پہلے یہ اقرار کرتی ہوں کہ اللہ بہت بڑا رحم کرنے والا ہے، اور ان لوگوں کے خیالات سے پناہ مانگتی ہوں جو اللہ کے رحم و کرم کو چیلنج کرتے ہیں۔

زرینہ باجی! اللہ تعالیٰ کے رحم کو چیلنج کرنے کے صرف یہی معنیٰ نہیں ہیں کہ اس کی ذات سے انکار کر دیا جائے یا اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے۔ اس رحمان اور رحیم کو اس طرح بھی چیلنج کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا بھی ہے کہ اس کے پیدا کیے ہوئے غریب اور دکھی بندوں کو ٹھکرا دیا جائے، میرے ذہن میں عربی کا ایک فقرہ ہے" اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہ" غور فرمائیے، جب ساری خلقت اللہ تعالیٰ کی اولاد کے مانند ہے تو پھر اسے کیسے گوارا ہو سکتا ہے کہ اس نے دنیا میں جو رزق پیدا کیا ہے اُسے کچھ خاص قسم کے" بڑے" لوگ ہی سارے کا سارا ہڑپ کر لیں۔ میں یقین کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ جو لوگ دُکھیوں کو جاگتے دیکھ کر سکھ کی نیند سوتے ہیں وہ خدا کے قہر و غضب کو بھڑکانے کے لیے ایندھن تیار کرتے ہیں۔

باجی! میں تو اس وقت اللہ کے ڈر سے کانپ گئی جب میں نے رشید میاں کی شادی میں تین بچوں کی ایک بیوہ ماں کو دیکھا جو شکل و صورت اور طور طریقے سے کسی بڑے گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔ اگر اس وقت اس کا زمانہ سازگار ہوتا تو اس تقریب کے موقع پر تمام عورتوں میں وہی وہ نظر آتی۔ میں بتاؤں اس وقت وہ کیا پہنے تھی۔ ایک پرانی شلوار جس کے ایک پائنچے میں ایک اور دوسرے پائنچے میں دو پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک جمپر جس پر ابھی پیوندوں نے تو احسان نہیں کیا تھا مگر وہ اپنے اندر کے جسم کی ہر جنبش پر زنگ سے رنگ ہوتا نظر آتا تھا۔ یہ میں نے اُس وقت محسوس کیا جب وہ نماز کے لیے وضو کو گئی۔ وضو کرنے کے لیے اُس نے اس احتیاط سے آستینیں چڑھائیں جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ اگر کپڑے پر ذرا بھی زور پڑا تو جمپر اپنے پُرانے ہونے کی چوری کو چھپا نہ سکے گا۔ وضو ہی کے وقت اس کے چپلوں کو دیکھا۔ اس غریب نے اس شادی میں شرکت کرنے کے لیے ان کی بڑے سلیقے سے مرمت کرائی تھی، مگر پرکھنے والی نظر ان کی عمر کا اندازہ دو برس سے زیادہ ہی لگائے گی۔ اور ڈوپٹہ؟ اگر ڈوپٹہ ایک پھوہڑ عورت کے کرتوتوں معمولی وباؤ سے پھٹ نہ جاتا تو ڈوپٹے کی فرسودگی کو کوئی پرکھ نہ سکتا، کیونکہ اسے بڑے سلیقے سے رنگ کر نیا جیسا کر لیا گیا تھا۔ ان کپڑوں، کپڑوں نہیں، لتوں میں وہ شادی کے بھرے گھر میں سب سے الگ تھلگ دکھائی دے رہی تھی۔ اور باجی! سچ تو یہ ہے کہ وہ ہم سب سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش

---

[۱] اس سلسلے کے پانچ خط نومبر اول کے الحسنات میں شائع ہو چکے ہیں انھیں ضرور پڑھنا چاہیے۔

بھی کر دی تھی۔ دو ایک بوڑھی اور زمانہ دیکھے ہوئی بزرگ عورتوں نے اس سے کہا بھی "بیٹی! آؤ، ہم سب کے ساتھ بیٹھو" لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "بچے ساتھ ہیں فرش ورش گندہ کر دیں گے۔"

وہ زیادہ تر برآمدے میں پڑے ہوئے تخت پر ہی تقریب کے ختم ہونے کی منتظر رہی۔ بچوں کو زیادہ تر پاس ہی رکھتی۔ ذرا دیر کو کوئی بچہ کہیں چلا جاتا تو جھٹ اپنی آٹھ برس کی رضیہ کو بھیج کر بلوا لیتی۔ اس نے اپنے بچوں کے کپڑوں کو گہرے رنگوں سے رنگ رکھا تھا۔ گہرے رنگوں سے رنگنے کا منشاء شاید یہی تھا کہ کوئی یہ طعنہ نہ دے کہ آج بھی بچوں کو پرانے کپڑے پہنا لائی۔

ظہر کے وقت میرے اور اس غریب بیوہ کے علاوہ کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اپنے رب کے آگے دو سجدے کر لیتی۔ وہ برآمدے میں تخت پر نماز پڑھ رہی تھی کہ میں پہنچ گئی۔ مجھے دیکھ کر "الحمد للہ" اس کی زبان سے نکلا۔ نماز کے بعد جب میں نے دو چار باتیں کیں تو پتہ چلا کہ وہ نہایت شستہ زبان اور شگفتہ بیان ہے۔ میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ اتنے میں اس کی رضیہ اپنے ساڑھے چار برس کے بھائی کو کھینچتی ہوئی یہ کہتی ہوئی لائی "دیکھیے امی! یہ چاٹ والے کے پاس کھڑا تھا۔"

رضیہ شکایت روا روی میں کر گئی۔ لیکن مجھے دیکھ کر جھجک گئی۔ اس کی غریب ماں کا چہرہ اتر گیا، ماں نے بیٹے کو لپٹا لیا، اور اس طرح اپنے دل کا چور چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

باجی! اس کی یہ غیرت، اس کا ستھرا پن، اس کی پیاری باتیں اور بار بار اللہ کا شکر ادا کرنا مجھے بڑا اچھا لگا۔ میں نے باتوں میں اس کے گھر کا حال پوچھا۔ جواب میں "الحمد للہ" اس کی زبان سے نکلا۔ میں نے اور کرید کی۔ میں نے دیکھا کہ جب میں نے بچوں کے باپ کو پوچھا تو اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور پھر مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا۔ باجی! وہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کی بہو نکلی۔ ڈپٹی صاحب کو میں نے دیکھا نہیں لیکن ابا اکثر ان کی باتیں سنایا کرتے تھے "آج ڈپٹی صاحب نے اسلامیہ کالج کے لیے اتنا چندہ دیا، آج ڈپٹی صاحب نے فلاں غریب لڑکی کی شادی کرا دی، آج ڈپٹی صاحب نے فلاں غریب نوجوان کو کارخانے میں کام سیکھنے بٹھا دیا اور اتنا وظیفہ مقرر کر دیا، اور آج انھوں نے بیواؤں کی شادی پر بڑی مؤثر تقریر کی۔" وغیرہ وغیرہ

انہی نذیر احمد صاحب کی بہو اس وقت میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، ماں باپ بھی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ ایک دیور تھا وہ پاکستان سدھارا، اب اللہ کے نام کے سوا اس غریب کے آگے پیچھے کوئی نظر آیا تو یہ تین جانیں تھیں جن میں ایک آٹھ سال کی رضیہ، ایک پانچ برس کا رشاد اور ایک تین برس کی بچی سعیدہ، ان سب کا رزاق اوپر اگر خدا تھا تو نیچے اس بیوہ کے پاس رزق کا ذریعہ وہ سلائی کی مشین تھی جسے اس نے برے سے برا وقت پڑنے پر بھی فروخت سے بچا رکھا تھا جس کی بدولت کپڑے سی سی کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتی تھی۔ مگر باجی! واہ ایسی غیرت دار عورت، اس نے میرے بار بار پوچھنے پر بتایا تو بہت کچھ لیکن اس طرح کہ ناشکری کا ایک لفظ بھی اس کی زبان سے نہ نکلا۔ "اللہ کا شکر ہے دونوں وقت کھانے کو مل رہا ہے، اللہ کا شکر ہے رضیہ پڑھ بھی رہی ہے، اللہ کا شکر ہے ایسا ہے، اللہ کا شکر ہے ویسا ہے۔" اس طرح کے فقرے بار بار اس کی زبان سے نکلا کیے۔

زرینہ باجی! میں نے بڑے بڑوں کو دیکھا۔ آزمائش میں پڑیں کہ توبہ، توبہ! اللہ میاں تک کو برا کہہ ڈالا۔ میں نے دبے لفظوں میں کہا "بہن! ماشاء اللہ ابھی تو آپ ایسی ہیں کہ چاہیں تو شادی کر لیں، آپ کے خسر مرحوم تو عقد بیوگان کے بڑے حامی تھے ـــــ شرما کر جواب دیا "انکار کسے ہے" پھر جیسے شرما گئی۔ معاً بعد بولی "لیکن میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیاری حدیث کو ہر وقت اپنے ساتھ

رکھتی ہوں۔" ــــ "کیا؟" ــــ میں نے پوچھا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالی اور اس کا ایک صفحہ کھول کر میرے سامنے کر دیا۔ میں نے پڑھا:۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ...."

عربی عبارت تو میں نے چھوڑ دی۔ نیچے اُردو میں ترجمہ پڑھا۔ لکھا تھا:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور جھلسے ہوئے چہرے والی عورت قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے (یزید بن زریع نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) یعنی وہ عورت جس کا شوہر مرگیا اور وہ خاندانی شرافت اور ذاتی حسن وجمال رکھتی ہے لیکن اُس نے اپنے مرنے والے شوہر کے بچوں کی خاطر اپنے کو روکے رکھا، یہاں تک کہ وہ جُدا ہوئے یا مرگئے۔"

یہ حدیث پڑھ کر میں اُسے (نہیں نہیں "اسے" "نہیں" "انھیں") ہاں تو یہ حدیث پڑھ کر میں انھیں دیکھنے لگی۔ میرے دماغ میں حدیث شریف کی سچی باتیں گھومنے لگیں۔ خاندانی شرافت، حسن وجمال، متوفی شوہر، اس کی یادگار بچے۔ مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ حدیث شریف کی سبھی باتیں میری مخاطب بہن پر فٹ ہو رہی ہیں، تو میں کیا بتاؤں میرے دل پر کیا اثر ہوا، میں انھیں بڑی ولی اللہ عورت سمجھنے لگی۔ میں نے کہا۔" اور اگر کوئی ایسا نیک شوہر ہو جو آپ کا اور ان بچوں کا شرعی حق ادا کر سکے، تو آپ کو کیا عذر ہے؟"

"مگر ایسے لوگ ہیں کہاں بہن؟ ہٹاؤ بہن!! دوسری باتیں کرو۔" میرے سوال کے جواب میں اس طرح کے کئی جملے وہ کہہ گئیں۔ شادی کا ہنگامہ تھا اس لیے اور سنجیدہ اور طویل گفتگو کا موقع نہ دیکھ کر میں خاموش ہوگئی۔ لیکن گھر آکر میں انھیں بھول نہ سکی۔ میں دل سے چاہتی تھی کہ اس نیک اور دیندار عورت کی شادی کسی بھلے آدمی سے ہو جائے۔ اس کے لیے میں نے آصف صاحب سے کوشش کرنے کو کہا، مگر انھوں نے بات ہنسی میں اُڑا دی۔" اجی آجکل کنواریوں کو بَر ملتا نہیں، ایسی کو کون قبولے گا۔" میں کچھ جواب نہ دے سکی۔ سوچا تو معاملہ سچ مچ بڑا گمبھیر نظر آیا۔ اور سوچا۔ اور سوچا۔ میں جتنا سوچتی گئی معاملہ گہرے سے گہرا ہوتا گیا۔ میں سوچتے سوچتے تھک گئی۔ بے اختیار میری زبان سے نکلا۔" تو پھر ان سب کا کیا بنے گا؟"

اور پھر یہی میرے لیے ایک مسئلہ بن گیا۔ اب جب کوئی جوان اور کنواری لڑکی نظر آتی تو، یا کسی جوان بیوہ کو دیکھتی تو یہی مسئلہ میرے سامنے آکھڑا ہوتا۔ اور میں سوچتے سوچتے معاشی سے اخلاق میں جا پڑتی، اور پھر مجھے ان سب پر بڑا ترس آتا۔ ہوتے ہوتے اس مسئلے نے ایسی شدت اختیار کرلی کہ اس کا تذکرہ ہر کس و ناکس کے سامنے میری زبان پر آنے لگا۔ باجی! میں حیران رہ گئی۔ جب بڑے بڑے ہمدردانِ ملت کو اپنے اوپر ہنستے دیکھا۔ خود میرے شوہر میاں آصف جو اسلام پر جان و مال نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں، قرآن و حدیث کی ساری معلومات کو جذب کیے ہوئے ہیں، زندگی کے تمام مسائل کا حل اسلام کو بتاتے ہیں اور اپنی تقریروں میں کہتے پھرتے ہیں کہ عورتوں کے مسئلے کو اسلام نے جس خوبی سے حل کیا ہے اس کا جواب نہیں۔ لیکن جب میں نے عاطرہ نذیر کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے کہا تو سب سے زیادہ انھوں نے میرا مذاق بنایا۔

اَبا سے اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ میں نے ابا سے کہا تو انھوں نے بھی کانوں پر ہاتھ دھرے۔ میں نے ماموں جان سے کہا۔ خالو جان سے کہا۔ بڑے اور بزرگوں سے کہتے کہتے تھک گئی تو ایک دن جی کڑا کر کے آصف کے

پیچھے ہی پڑ گئی۔ آصف نے ' اسلام کو سارے مسائل کا حل بتانے والے آصف نے عاطرہ نذیر کا حل یہ پیش کیا کہ اس کے لیے مرزا اکبر بیگ صاحب کا نام لیا۔ کون مرزا صاحب ؟ جن کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی ہے اور جن کے گھر دو بیویاں موجود ہیں۔ میں نے آصف کے اس انتخاب میں طنز محسوس کیا۔ ایسا طنز جب انسان لاجواب ہو کر کوئی جواب نہیں رکھتا تو یونہی کہنے لگتا ہے۔ میں نے ضبط کیا۔ اور سوچ میں رہنے لگی۔ سوچتے سوچتے ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی۔ اب میں نے اس ترکیب پر غور کرنا شروع کر دیا۔ نشیب و فراز پر نظر ڈالتے ہوئے اس ترکیب پر عمل کرنا میں نے طے کر لیا۔ پھر اپنی پوری ذہنی تیاری کرنے کے بعد میں نے ایک دن آصف صاحب کو فرصت میں پکڑا۔ اور دوسرے رُخ سے بات کو رکھا:۔

میں :" آپ اسلام کے بارے میں بے حد حساس واقع ہوئے ہیں ' اسلام کے خلاف ایک لفظ سُننا گوارا نہیں کرتے۔ لیکن آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ اسلام نے ایک مرد کو چار چار بیویاں بیک وقت کرنے کا حق دیا ہے۔ یہ بات فطرت کے خلاف ہے اور اس پر عمل کرنے والے کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے "

وہ :" تو کہاں کون کرتا ہے جی ؟ خواہ مخواہ کا اعتراض ہے۔ بر وقت ضرورت اسلام نے اجازت دی ہے۔ اگر کسی نے بوقتِ ضرورت دوسری شادی کر لی جبکہ اس کے نکاح میں ایک موجود ہے تو بس معلوم ہوتا ہے جیسے سارے کے سارے مسلمانوں نے ایسا کر لیا ہے۔ یاروں کو اسلام کے خلاف بکواس کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا "

میں :" میں آپ سے سمجھنا چاہتی ہوں ' پرسوں میں کالج گئی تھی ' وہاں یہ مسئلہ چھڑا ہوا تھا۔ ہماری طرف سے کوئی قابل اطمینان جواب نہیں دیا جا سکا۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ عورت کی فطرت کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر اُس پر سوکن لے آئے "

وہ :" بات دراصل یوں نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خود غرضی نے عورت جیسی نرم دل ہستی کی فطرت کو بدل دیا ہے۔ اور مسلمان مرد بھی دین سے واقف نہیں۔ وہ بھی انصاف نہیں کر سکتے۔ اس لیے سوکنیں آپس میں سوکنیں ہوتی ہیں۔ اور مرد کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ ورنہ صحابۂ کرامؓ کی زندگیاں گواہ ہیں ' ان کے گھروں میں سوتیا ڈاہ کا پتہ بھی نہ تھا۔ اور ان کی زندگی میں ایسا سکون تھا کہ اس کی مثال دنیا کے کسی گھرانے میں نہیں ملتی۔ آج اگر ایک مسلمان مرد دینی اعتبار سے مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں تو عورت بھی اتنی عورت نہیں رہی۔ اس کی فطرت اب ہمدردی اور ایثار و قربانی نہیں رہی۔ وہ تو اپنی آرایش اور نمائش میں گم ہو گئی۔ پھر ظاہر ہے کہ آرایش و نمایش کے لیے جتنا بھی پیسہ ہو کم ہے۔ تو بھلا اللہ کی بندی کو کیا پھٹکار پڑی ہے کہ اپنی اصل فطرت کو کام میں لائے ' ایثار و قربانی اور آرایش و نمایش میں بنیادی بیر ہے۔ وہ رہے یا یہ ' دونوں باتیں ایک جگہ اکٹھا نہیں رہ سکتیں۔ آرایش و نمایش کے شوق نے عورت کو اتنا خود غرض بنا دیا کہ اب وہ اپنا ساجھی نہیں دیکھ سکتی۔ ساجھی تو ساجھی ' اب تو وہ اولاد کو بھی وبال جان اور اپنے ذوق کا روڑہ سمجھنے لگی ہے۔ ورنہ جہاں تک انسانیت کا تعلق ہے ایسا نہ ہونا چاہیے۔ انسانیت ہوگی تو دوسروں کا درد بھی ہوگا۔ دوسروں کا درد ہوگا تو گنجایش آپ سے آپ نکل آئے گی۔ انسانیت کے نہ ہونے ہی کا تو رونا ہے۔ آج مسلمان اپنے دین پر عمل کرنے لگیں ' نفسانی خواہشات کی بنا پر نہیں ' اللہ کے حکم کی بنا پر ' اللہ کا ڈر دل میں رکھتے ہوئے تو یہ ساری کنواریاں اور بیوائیں ملت میں آسانی سے کھپ سکتی ہیں "

میں :" اور دین پر عمل کرنے کے لیے مرزا اکبر بیگ صاحب جیسے مسلمان ہی رہ گئے ہیں ' باقی دیندار تو اب دنیا میں رہے نہیں "

وہ: "ارے وہ تو میں نے تمھارا منہ بند کرنے کے لیے ایک بات کہہ دی تھی۔ دیندار لوگ ہیں کیوں نہیں۔"

میں: "کہاں ہیں؟"

وہ: "آن، آن، آن، آن ...."

میں: "اچھا اب آپ آن، آن، تو چھوڑیئے۔ ایک بات پر غور کیجیے۔"

وہ: "کس بات پر؟"

میں: "آپ پہل کیوں نہیں کرتے؟"

وہ: "کیا کہا؟ میں!؟"

میں: "جی ہاں! آپ!!"

وہ: "تو یہ کہیے، آپ نے سیدھی طرح سے نہیں۔ ادھر سے گھما کر میرے کان پکڑے۔ لاحول ولا قوۃ، کالج سے بات شروع کی اور دل میں تھا یہ۔ بڑی تیاری کرکے بات شروع کی آپ نے! نا بابا! میں دو بیویوں میں انصاف نہیں کرسکتا۔ قرآن میں اس کی سخت وعید آئی ہے۔"

میں: "آپ کیا انصاف نہیں کرسکتے۔ اللہ کے فضل سے اللہ کا دیا کیا نہیں ہے آپ کے پاس۔ دو کیا، چار کرسکتے ہیں آپ!"

وہ: "مگر دل کا معاملہ جو ہے، خدا جانے کس طرف ڈھلک جائے، اور پھر مجھ سے کیا حماقت ہوجائے۔ اور پھر آخرت میں میری پکڑ ہو جائے تو۔"

میں: "دل کے معاملے میں جہاں تک کسی بیوی کے حسن و جمال، فضل و کمال، عادات و اطوار اور رفتار و گفتار سے متاثر ہونے کا تعلق ہے اس کی تو مجبوری ہے۔ ہاں مال سے، اوقات سے، حسن سلوک سے اور ایسی ہی دوسری باتوں میں تو آپ آسانی کے ساتھ انصاف کرسکتے ہیں اور اسلام میں یہی مطلوب ہے۔"

وہ: "انصاف بڑا مشکل کام ہے، اور میں اس بارے میں اپنے میں یہ صلاحیت نہیں پاتا۔"

میں: "صلاحیت تو میں دیکھتی ہوں، خدا کے فضل سے آپ حقوق و فرائض سے بخوبی واقف ہیں، اور ماشاء اللہ صحت مند بھی۔"

وہ: "اچھا بس رہنے دیجیے، میں تمھارے ہوتے دوسری شادی کرنا پسند نہیں کرتا۔"

میں: "اور جب میری ہی خواہش ہے تو؟"

وہ: "تو وہ کچھ نہیں، بیکار کی بکواس مت کرو۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔"

میں: "اچھا یہ فرما دیجیے، آپ نے یہ فیصلہ دین کو سامنے رکھ کر کیا، یا ضد میں؟"

وہ: "معاف کیجیے، یہ سمجھ لیجیے کہ میں ضد کر رہا ہوں۔"

میں: "لیکن یہ بھی سوچ لیجیے کہ اس کا جواب آپ خدا کو کیا دیں گے؟"

وہ: "آپ میرے لیے پریشان نہ ہوں، میں خدا کو جواب دے لوں گا۔ اور بس۔ بیکار باتیں بند کیجیے۔"

میں: "اچھا تو آپ گفتگو یوں کرنے لگے، تو اس کا جواب بھی سن لیجیے۔ آج سے میرے سامنے اسلام کا نام نہ لیجیے گا۔ دو ٹکوں میں تو عورتوں سے بڑی بڑی ہمدردیاں آپ کی زبان سے پھوٹ نکلتی ہیں، مگر ملت کی یہ بیٹیاں جو بیس بیس برس کی، پچیس پچیس برس کی، تیس، تیس برس کی کنواری بیٹھی ہیں۔ ان کی فطرت کا تقاضا آپ کو اپیل نہیں کرتا، یہ بے کس بیوائیں کئی کئی بچوں کی مائیں نہ جانے کس کس طرح اپنا

اور اپنے بچوں کا پیٹ پال رہی ہیں۔ لیکن اسلام کے نام کا وظیفہ پڑھنے والے واعظین کے پیٹوں میں درد نہیں اٹھتا۔ آپ آخرت میں اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ جب یہاں مجھے مطمئن نہیں کرسکتے۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ باتیں بنانا اور بات ہے، اور عمل کرنا دوسری بات ہے عورتوں کی ہمدردی کا طوفان چاروں طرف اٹھ رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو عورت کو اپنی ذات سے ہمدردی ہے اور نہ مردوں کو اسلام سے۔ مرزا اکبر بیگ جیسے بوڑھے عیاش مسلمان کو تو ضرور ہمدردی ہوسکتی ہے لیکن نہیں ہوسکتی تو آصف جیسے مالدار صحتمند اور جوان کو۔"

باجی! بات ڈھب پر آکر یکایک بگڑ گئی۔ وہ چپ ہو کر اٹھ گئے۔ اُس دن دن بھر ہم دونوں چپ چپ سے رہے۔ میں ہر طرف سے مایوس ہوگئی اور اب دُعاؤں کے سوا میرے پاس کچھ نہ رہ گیا۔

اس کے بعد باجی! طرفہ ماجرا ہوا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ باہر سے نہایت غمزدہ گھر میں داخل ہوئے۔ میں نے بڑھ کر خیریت پوچھی، تو بولے:۔

"کیا عاطرہ نذیر شادی کے لیے تیار ہے؟" یہ سن کر مجھے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ میں نے پوچھا "آپ کی ذہنیت میں اچانک یہ تبدیلی کیسے ہوئی؟" ایک کرب کے ساتھ بولے: "سُنا تم نے! صبیحہ ایک ہندو کے ساتھ بھاگ گئی"

یہ خبر سُن کر میں نے اپنے کانوں میں انگلی دے لی۔ اس کے بعد جب میرے حواس درست ہوئے تو میں نے سب سے پہلے یہ کیا کہ جھٹ عاطرہ کے گھر گئی۔ عاطرہ بہن میری بے اطلاع آمد سے گھبرا گئیں۔ چائے بنانے دَوڑیں مگر میں نے پکڑ کر بٹھا لیا، بچوں کے لیے کچھ پھل لیتی گئی تھی، میں نے پھل بچوں کو دے دیئے اور پھر ———— ؟

اور پھر یہ کہ حرفِ مطلب زبان پر لائی۔ عاطرہ بہن آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگیں۔ میں نے انھیں ہر طرح کا اطمینان دلایا اور پھر ایک دن بھرے مجمع میں دونوں کا باقاعدہ نکاح ہوگیا۔ لوگ اندر باہر مجھ پر اور آصف پر پھبتیاں کس رہے تھے لیکن الحمد للہ! میں عاطرہ بہن سے اور وہ مجھ سے اور میاں آصف ہم دونوں سے بہت خوش ہیں۔ ہماری خوب نبھ رہی ہے۔ باجی! کبھی آئیے، اور دیکھیے آکر۔

اب بتائیے آپ۔ ساری کہانی سُنی آپ نے! خوب سوچ سمجھ کر جواب دیجیے۔ ہم دونوں منتظر ہیں۔ ہم دونوں کا سلام قبول کیجیے، اور دُعائے خیر سے یاد فرماتی رہیے۔ والسلام۔ "آپ کی صالحہ"

(۷)

صالحہ! میری پیاری صالحہ! تم پر خدا کی رحمت ہو۔

تم نے وہ کچھ کر دکھایا جس کی بنا پر میں کہو تو آج ہی کہہ دوں کہ تم دونوں جہان میں سُرخرو ہوگی، انشاءاللہ۔ تم نے جو کچھ کیا سب میری سمجھ میں ذرا ذرا آگیا۔ عورتوں سے ہمدردی، واقعی ہمدردی جس جذبے کا نام ہے دراصل وہ یہی ہے جو تمھارے خط اور تمھارے اس اقدام سے ظاہر ہوتا ہے۔ عورتوں سے سچی ہمدردی کے معنی اب میری سمجھ میں آئے۔ اب تک تو نہ جانے میں کیا سمجھے ہوئی تھی۔ اب تم دیکھو گی کہ میں کیا کرتی ہوں۔ تم جانتی ہو، جب تک میری سمجھ میں بات نہ آئے، نہ آئے، لیکن جب حق بات مجھ پر واضح ہوجاتی ہے تو پھر میں مصلحت و صلحت کچھ نہیں دیکھتی۔ مجھے تو بس ایک دُھن ہوتی ہے کہ اگر حق حق ہے تو اسے ہماری زندگیوں سے واضح ہونا چاہیے (بقیہ صفحہ پر)

محمد یوسف اصلاحی

حلال روزی

ابوحفص طرطوسی ایک مرتبہ ابوعبداللہ[1] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ "حضرت یہ بتلائیے کہ دل کس طرح نرم ہوتے ہیں؟"
ابوعبداللہ نے شاگردوں کی طرف دیکھا، پھر کچھ دیر نیچے کو سر کیے خاموش رہے ——— تھوڑی دیر میں سر اٹھایا اور فرمایا
"پیارے بیٹے! حلال روزی سے"۔
ابوحفص ان کے پاس سے اٹھے اور ابو نصر کے پاس پہنچے اور وہی سوال کیا: "دل کس طرح نرم ہوتے ہیں؟" ابو نصر نے جواب میں یہ آیت پڑھی

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔   سنو، اللہ کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

ابوحفص نے کہا میں ابوعبداللہ کے یہاں سے بھی یہی بات پوچھ کر آ رہا ہوں۔ ابو نصر نے بے چینی سے کہا۔ "مجھے جلد بتاؤ انھوں نے کیا جواب دیا؟" ابوحفص نے کہا، ابوعبداللہ نے فرمایا "حلال روزی" سے۔ ابو نصر تڑپ کر بولے "خدا کی قسم! بالکل ٹھیک کہا"۔
پھر ابوحفص عبدالوہاب کے پاس پہنچے۔ اور یہی سوال ان سے پوچھا۔ انھوں نے بھی جواب میں وہی آیت پڑھی جو ابو نصر نے پڑھی تھی۔
ابوحفص نے انھیں بتایا کہ میں ابوعبداللہ سے یہی سوال کر کے آ رہا ہوں۔ یہ سن کر عبدالوہاب کے دونوں رخسار خوشی سے چمک اٹھے اور بے تابی سے بولے۔ "ابوحفص بتاؤ ابوعبداللہ نے کیا جواب دیا؟"
ابوحفص نے بتایا کہ انھوں نے جواب میں فرمایا "حلال روزی"۔ کہنے لگے "واللہ ابوعبداللہ نے کانٹے کی بات کہی ہے، حق وہی ہے جو ابوعبداللہ نے کہا ہے۔ بے شک حلال روزی سے دل نرم ہوتے ہیں"۔

(بقیہ مضمون ص۱۹) اندھے کو ہر طرف ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے انھیں بھی ہر جگہ اپنے مطلب کی بات ہی دکھائی دیتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ ان کی حیثیت پہیلیوں کی سی ہو کہ لوگ انھیں بیٹھے بوجھا کریں بلکہ ایک آیت کے مفہوم کو متعین کرنے کے لیے دوسری آیتیں بھی موجود ہیں اور پھر ان سب کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات اور احادیث سے ان کا ٹھیک ٹھیک مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی صورت اس مسئلے کی بھی ہے۔ ضبط ولادت کے سلسلے میں قرآن اور اسلام کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لیے بہت سی کھلی کھلی آیتیں اور صحیح احادیث موجود ہیں اگر کوئی سمجھنا چاہے تو یقیناً وہ ان سے صحیح بات پا سکتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کا کیا علاج جو قرآن کے پیچھے چلنے کے بدلے قرآن کو اپنے پیچھے چلانا چاہتے ہیں۔

---

[1] ابوعبداللہ مشہور امام احمد ابن حنبل رح کی کنیت ہے۔

ابو سلیم

تمھاری کھیتیاں

قرآن پاک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا۔ (اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بہتوں کو گمراہی نصیب فرماتا ہے اور بہتوں کو ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے)۔ اس کی بے شمار مثالیں سامنے آتی ہیں۔ قرآن ہدایت کی کتاب ہے۔ جو کوئی اس کو اس نظر سے پڑھتا ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ قرآن کس راہ پر چلانا چاہتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ راہ دکھاتا ہے اور انسان کی عقل اس کی رہنمائی کرتی ہے کہ واقعی قرآن کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرنے کے قابل ہے۔ لیکن جو کوئی پہلے تو اپنے لیے کوئی راہ پسند کر لیتا ہے۔ پھر قرآن کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ اس سے اپنی پسند کی ہوئی راہ کے حق ہونے کے دلائل فراہم کرے وہ بڑی بڑی قلابازیاں کھاتا ہے، اور قرآن سے ایسے عجیب عجیب مضمون نکالتا ہے کہ انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ پھر وہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ وہ جو مطلب قرآن کی کسی ایک آیت سے نکال رہا ہے وہ قرآن کی باقی تعلیم سے ٹکرا رہا ہے یا نہیں۔ اس کی مثال آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

یورپ کی اندھی تقلید اور نفس کی بہت سی خواہشوں کے دباؤ کے تحت پہلے تو یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ "ضبطِ ولادت" اور "خاندانی منصوبہ بندی" ایک ضروری چیز ہے۔ اب اس خیال کی تائید کے لیے اللہ کی کتاب کو کھول کر اس سے دلائل فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس کوشش کے نتیجے میں وہ وہ نکتے نکال کر رکھے جاتے ہیں کہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی سنے تو سر پیٹ لے۔

قرآن کی ایک آیت ہے نِسَاۤؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ "تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں، تمھیں اختیار ہے، جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ۔" (تفہیم القرآن۔ بقرہ ۲۲۳)

اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے: "تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی کے بمنزلہ ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں جب چاہو آؤ۔" اس ترجمہ کو سامنے رکھ کر کہا گیا ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ "جب چاہو" تو اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح کھیت میں اسی وقت فصل اگائی جاتی ہے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اولاد بھی اسی وقت پیدا کی جائے جب اس کی ضرورت ہو۔ اس طرح یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ دراصل اولاد کے پیدا کرنے میں ضرورت کا لحاظ رکھا جائے۔ جب اور جس قدر ضرورت ہو، اولاد پیدا کی جائے۔ اس طرح گویا اللہ میاں نے اس طرف اشارہ کرکے گول مول لفظوں میں "ضبط ولادت" کی ہدایت کی ہے۔ اور خاندانی منصوبہ بندی کی تعلیم دی ہے۔

یہ ہے ایک نمونہ اپنی خواہش کے مطابق قرآن کی آیتوں کو استعمال کرنے کا۔ جہاں تک خاندانی منصوبہ بندی، اور ضبط ولادت کے صحیح یا غلط ہونے کا تعلق ہے اس کے لیے تو الگ بحث کی ضرورت ہے۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس آیت کی

روشنی میں یہ غور کریں کہ اصل مسئلہ کے متعلق اس آیت میں کیا اشارے ملتے ہیں۔ یہ اشارات قرآن کے ایک مفسر مولانا امین احسن اصلاحی کی بعض تشریحات سے اخذ کیے گئے ہیں:۔

۱۔ قرآن مجید نے عورتوں کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جس طرح کھیتی سے اصل مقصد فصل حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح عورتوں سے اولاد حاصل کرنا ہی ان کا صحیح مقصد ہے۔ اب جو کوئی عورتوں کا مقصد کچھ اور سمجھ لے اس کی مثال اس بے وقوف کسان کی سمجھنا چاہیے جو کھیتی کا مقصد فصل کے علاوہ کچھ اور سمجھ لے۔

۲۔ اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جس طرح ہوشیار کسان اپنے لیے زرخیز اور زیادہ پیداوار دینے والی زمین کا انتخاب کرتا ہے اور وہی زمین اسے زیادہ پیاری ہوتی ہے جس میں پیداوار زیادہ ہوتی ہو۔ اسی طرح عورتوں کے انتخاب میں جہاں اور باتوں کو سامنے رکھا جائے وہاں اُن کی یہ خوبی لازماً سامنے رہے کہ وہ بچے جننے والی ہوں بانجھ نہ ہوں۔ انھیں بچوں سے محبت ہو، اور بچوں کی پرورش کرنا وہ اپنے لیے وبال نہ سمجھتی ہوں۔ اسی بات کی طرف ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں اشارہ بھی فرمایا ہے۔ فرمایا

"بچے جننے والیوں اور محبت کرنے والیوں سے شادیاں کرو۔ کیوں کہ میں قیامت کے دن تمھاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلے میں فخر کرنے والا ہوں"

۳۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ جس طرح ایک ہوشیار کسان موسم پر ہی اپنے کھیت میں ہل چلاتا ہے اور بیج ڈالتا ہے، اسی طرح عورت کے معاملے میں بھی صحیح وقت سے فائدہ اٹھانا اور غلط وقت میں پرہیز کرنا ضروری ہے۔ کچھ خاص دنوں میں عورت سے دور رہنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے۔

۴۔ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح وہ کسان جو کھیتی کے معاملے میں اپنی کسی غلط روش سے فصل کو ضائع کرتا ہے یا اس طرح بیج ڈالتا ہے کہ اس سے فصل نہ اُگے وہ نہ صرف اپنا ذاتی نقصان کرتا ہے بلکہ اجتماعی دولت کو بھی برباد کرتا ہے۔ اسی طرح جان بوجھ کر اولاد کی پیدائش میں رکاوٹ ڈالتا ہے وہ نہ صرف اپنا ذاتی نقصان کرتا ہے بلکہ دراصل وہ ملک کی اجتماعی دولت کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔

۵۔ آج تک کسی ایسے کاشتکار کو جس کے ہوش وحواس درست ہوں کوئی ایسی تدبیر کرتے نہیں سنا گیا جس سے اس کا کھیت فصل پیدا کرنے کے قابل نہ رہے۔ ہر کاشتکار کھاد لا لاکر تو ضرور اپنے کھیت میں ڈالتا ہے لیکن کوئی اپنے کھیت میں ریہہ اور شورہ یا کوئی ایسی چیز لاکر نہیں ڈالتا جس سے اُس کا کھیت اوسر یا بنجر میں تبدیل ہو جائے۔ تو جب عورت کو کھیتی کی مثال کہا گیا تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی تدبیریں اختیار کرنا جن سے عورت بچہ جننے کے قابل نہ رہے یا نطفہ قرار ہی نہ پائے، یا حمل ضائع ہو جائے کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔ ایسا وہی کرے گا جو اُس پاگل کاشتکار کی طرح ہوگا جو اپنے کھیت کو ناقابلِ کاشت بناتا ہے یا فصل بوتے وقت ایسی تدبیریں اختیار کرتا ہے کہ فصل پیدا نہ ہوسکے۔

ان اشارات کو سامنے رکھیے اور پھر سوچیے کہ جن لوگوں نے اس آیت کو اپنی خواہش کے مطابق اسے ضبط ولادت یا خاندانی منصوبہ بندی کی تائید کے لیے چھانٹ نکالا ہے۔ ان کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ساون کے (بقیہ ص۲۱ پر)

وحید الدین خاں

گزرتا ہوا زمانہ

یہ ہے کمیونسٹ چین!

آل چائنا جرنلسٹس ایسوسی ایشن کی دعوت پر پاکستانی پریس کے سولہ نمایندوں نے جون ۱۹۵۶ء میں چین کا دورہ کیا تھا۔ یہ دورہ چار ہفتہ تک جاری رہا جس میں "تسنیم" کے سابق ایڈیٹر مسٹر ارشاد احمد بھی شریک تھے۔ واپسی کے بعد ارشاد احمد صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ اپنے تاثرات قلم بند کیے تھے، جو اخبار کی ایک درجن سے زیادہ قسطوں میں چھپ چکے ہیں۔ اس کو دیکھنے سے چند باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں:-

۱۔ یہ دورہ کہنے کو تو چار ہفتہ کے لیے تھا مگر حقیقۃً صرف سات آٹھ روز ایسے ملے جن میں وہاں کے مسائل اور مختلف شعبوں کا باقاعدہ مطالعہ کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ مکمل دس دن تو صرف سفر میں لگ گئے اور بقیہ ایام مختلف ضروریات، قدیم عمارتوں کی سیر، اور دعوتوں اور ناچ گانے کی استقبالیہ مجلسوں میں صرف ہوئے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چین جیسا ایک ملک جس کا رقبہ چالیس لاکھ مربع میل ہے اور جس کی آبادی تقریباً ساٹھ کروڑ ہے۔ اس کو صحیح معنوں میں جاننے کے لیے وہ دورے کس قدر ناکافی ہیں جو صرف چند ہفتوں کے لیے ہوا کرتے ہیں اور جس میں چند سرسری مناظر دیکھ کر عام لوگ اس کی تعریف کرنے لگتے ہیں۔

۲۔ دوسری چیز یہ کہ چین میں سرکاری ترجمان کی وساطت کے بغیر کسی بھی شخص سے بات کرنا ممکن نہیں ہے۔ ترجمانوں کی موجودگی ہر طرح کے سوالات کرنے میں حارج ہوتی ہے۔ اور جواب دینے والا بھی جو کچھ کہتا ہے یہ سوچ کر کہتا ہے کہ اس کا جواب ایک ایسے آدمی کے ذریعہ اس کے مخاطب تک پہنچے گا جس کو سرکاری طور پر اسی کام کے لیے مامور کیا گیا ہے اور جس کے فرض کا ایک حصہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ان تمام ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی رپورٹ حکومت تک پہنچا دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ سیاحوں سے براہ راست گفتگو کر سکتے ہیں وہ بھی ترجمانوں کے ذریعہ چینی زبان ہی میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ارشاد احمد صاحب نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ چین کے سب سے بڑے عالم پروفیسر محمد مکین سے ملے جو پیکنگ یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے انچارج ہیں۔ اور "الازہر" میں رہ کر آٹھ سال تک عربی کی تعلیم حاصل کی ہے۔ ارشاد صاحب نے ان سے کہا کہ میں آپ سے جو سوال کروں آپ اس کا جواب عربی زبان میں دیجیے تاکہ میں آپ کا جواب براہ راست آپ کی زبان سے سن سکوں۔ مگر وہ کسی طرح اس پر راضی نہیں ہوئے اور ساری گفتگو ترجمان کے ذریعہ چینی زبان میں کرتے رہے۔

۳۔ تیسری چیز جو اس رپورٹ سے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اشتراکی ملکوں میں سیاحوں کو مختلف شعبوں کے جن ذمہ دار حضرات سے ملایا جاتا ہے وہ سوالات کے جوابات عموماً اس قسم کے دیتے ہیں گویا کہ اس کو رٹے ہوئے ہیں۔ مثلاً کمیونسٹ چین کے بارہ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہاں کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ دوسری سیاسی جماعتیں بھی موجود ہیں اور وہاں ایک مخلوط حکومت قائم ہے جس میں وفد کو ایسی تمام مخالف جماعتوں کے رہنماؤں سے ملایا گیا۔ یہ تعداد میں کل نو تھے۔ ان سے جب سوال کیا گیا کہ آپ کے اور کمیونسٹ پارٹی کے درمیان کیا اختلافات ہیں؟ تو اس کے جواب میں وہ بہت سے حکومت کے کارنامے بیان کرتے رہے۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں اس کا اعلان

تو بار بار کیا کہ ان میں اور کمیونسٹ پارٹی میں بہت سے اختلافات ہیں، مگر بار بار پوچھنے کے باوجود وہ کوئی اختلاف کی بات نہیں بتا سکے۔ دوسری طرف انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ ہماری جماعت کا کوئی رکن کمیونسٹ پارٹی کا رکن بننا چاہے تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی طرح پیکنگ جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے بتایا کہ انقلاب سے پہلے قیدیوں کی تعداد زیادہ تھی اور اب کم ہے۔ جب اس سے صحیح تعداد دریافت کی گئی تو وہ کچھ نہ بتا سکا۔ لیکن جب اس سے یہ سوال کیا گیا کہ یہاں سے جو قیدی رہا ہو کر جاتے ہیں کیا حکومت ان کے لیے روزگار کا کوئی انتظام کرتی ہے؟ تو اس نے فوراً تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دینا شروع کر دیا۔ اور وہی شخص جو اپنے محکمہ کے بارہ میں ایک سوال کا جواب نہ دے سکا تھا پوری مہارت کے ساتھ بتانے لگا کہ ملک کے دوسرے محکمے کس طرح چھوٹے ہوئے قیدیوں کے لیے روزگار فراہم کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھی چیز یہ معلوم ہوئی کہ اشتراکی چین کی خوش حالی محض ایک فریب ہے جس کی بنیاد صرف غلط پروپگنڈے پر ہے۔ پیکنگ میں وفد کے بعض ارکان کو ایک "عام چینی" کے گھر لے جایا گیا جو ٹیلی فون کے محکمہ میں ملازم تھا۔ اس کی عمر ۵۷ سال تھی۔ یہ شخص، کمیونسٹ پارٹی کا رکن تھا اور پرائمری اسکول تک تعلیم حاصل کیے ہوئے تھا۔ اس نے سترہ سال کی عمر میں ۱۹۱۶ء میں ملازمت اختیار کی۔ اور اب اس کو کام کرتے ہوئے ۴۷ سال ہو چکے ہیں۔ اس نے بتایا کہ اس وقت اسے ۹۶ یوآن (تقریباً ایک سو نوے روپے) تنخواہ ملتی ہے۔ اور اس کی حالت انقلاب سے پہلے کے مقابلہ میں بہت بہتر ہے۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ انقلاب کے بعد اس کی آمدنی میں کس قدر اضافہ ہوا ہے تو اس نے بتایا کہ ۱۹۱۶ء میں جب اس نے ملازمت شروع کی تھی اس کی تنخواہ گیارہ یوآن (تقریباً بائیس روپے) تھی۔ سولہ سال بعد ۱۹۳۲ء میں یہ تنخواہ ۳۸ یوآن ہو گئی۔ جب دریافت کیا گیا کہ انقلاب سے فوراً پہلے ۱۹۴۸ء میں تمھاری تنخواہ کیا تھی؟ تو اس نے کہا، یہ بتانا مشکل ہے۔ گویا ۳۴ اور ۴۷ سال پہلے کی بات بتانا تو اس کے لیے آسان تھا، مگر آٹھ سال پہلے کی بات بتانا مشکل تھا۔ پھر کہا گیا کہ اگر تمھارے لیے ۱۹۴۸ء کی تنخواہ بتانا ممکن نہیں ہے تو یہ بتاؤ کہ تمھیں سالانہ ترقی کیا ملتی رہی؟ اور آیا یہ ترقی کسی سال روک بھی لی گئی یا باقاعدہ ملتی رہی؟ اس نے جواب دیا کہ مختلف اوقات میں تین روپے تین یوآن سالانہ ترقی ملتی رہی اور کسی سال روکی نہیں گئی۔ اس حساب سے ۱۹۴۸ء کی تنخواہ ۸۰ یوآن (ایک سو ساٹھ روپے) کے لگ بھگ ہونا چاہیے جو ترقی کی پچھلی رفتار کے مطابق اب ۹۶ یوآن ہو گئی ہے۔ مگر اس قسم کے معمولی واقعات کو بالکل غلط طریقہ پر پیش کر کے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ انقلاب کے بعد چین کے باشندوں کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہو گئی ہے۔

۵۔ پانچویں چیز یہ کہ چین میں اگرچہ مسجد کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اور اس احمقانہ تجربے کو نہیں دُہرایا گیا ہے جس کو روس اور ترکی میں اختیار کیا گیا تھا۔ مگر حکومت اپنی پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کی نئی نسل کو اشتراکیت کے آغوش میں پہنچا دینا چاہتی ہے۔ سارے ملک میں تمام اسکولوں اور کالجوں میں اشتراکیت کی تعلیم لازمی ہے۔ اشتراکی لیڈروں کا تعارف نجات دہندوں اور عظیم انسانوں کی حیثیت سے کرایا جاتا ہے۔ اور ان کے کارناموں کو اس طرح تقدس کا رنگ دے کر ذہنوں میں اتارنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ طالب علم پھر اس کے خلاف کچھ سوچ نہ سکے۔ وفد کے چند ارکان ایک اسکول میں مسلمان لڑکیوں کے کلاس میں گئے۔ اور کہا کہ کوئی لڑکی کلمہ جانتی ہو تو سنائے۔ مگر پوری کلاس میں سے ایک لڑکی بھی کلمہ نہ سنا سکی۔ بلکہ بہت سی لڑکیاں تو کلمہ کا نام سن کر ایک دوسری کی طرف دیکھنے لگیں کہ یہ کیا چیز پوچھی جا رہی ہے۔ بالآخر کچھ دیر کے بعد ایک لڑکی نے صرف لا الٰہ الا اللہ کہا۔ اس کے آگے وہ بھی کچھ نہ سنا سکی ایک مسلم اسکول کی صدر معلمہ جو خود بھی مسلمان تھیں انھوں نے بتایا کہ ہم اس اسکول میں بچیوں کو اچھا کمیونسٹ بننے کا طریقہ سکھاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ..... [illegible]

بیٹے کو نصیحت۔ حضرت لقمانؑ کی نصیحت اپنے بیٹے کو۔ قیمت ۲۵ نئے پیسے۔

نبیوں کے حالات (بچوں کے لیے)

نبیوں کے حالات حصہ اول جس میں حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ اور حضرت شعیب علیہم السلام کا ذکر ہے۔ قیمت ۲۵ نئے پیسے

نبیوں کے حالات حصہ دوم۔ اس میں حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات ہیں۔ ۴۰ نئے پیسے

حضرت یوسف علیہ السلام۔ نبیوں کے حالات کا تیسرا حصہ ۴۰ ″ ″

حضرت سلیمان علیہ السلام ″ ″ چوتھا حصہ ۳۸ ″ ″

حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ اس سلسلہ کی آخری کتاب۔ تحریک اسلامی اور دعوت حق کی مکمل داستان۔ ایک روپیہ ۲۵ نئے پیسے

سیرت

حیاتِ طیّبہ (ابوسلیم محمد عبدالحی) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں رہتی دنیا تک کے لیے تمام انسانوں کے واسطے جو قابل تقلید نمونہ موجود ہے اس کی ایک جھلک۔ عمدہ کاغذ پر آفسٹ کی بہترین طباعت۔ نہایت خوب صورت ٹائیٹل۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ ۲۰۴ صفحات۔ قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے

جانباز ساتھی۔ (مائل خیرآبادی) صحابۂ کرام کی زندگیوں کے کچھ منتخب نمونے۔ حصہ اول ۶۵ پیسے۔ حصہ دوم ۶۰ پیسے

پیارے ساتھی۔ (مائل خیرآبادی) بچوں کے لیے سیرت صحابہ رضؓ کے چند نمونے۔ قیمت ۶۲ نئے پیسے۔

عمر ثانی۔ (مائل خیرآبادی) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی پاکیزہ زندگی کے حالات ایک نئے انداز میں۔ قیمت ۶۵ نئے پیسے

مجاہد کی ڈائری۔ مولانا محمد جعفر صادق پوری کی سبق آموز سرگزشت۔ قیمت ۲۵ نئے پیسے۔

تحریک اخوان المسلمین۔ اس کی خدمت اور اثرات۔ مصر کے ایک عالم جناب محمد شوقی ذکی کی تالیف کا بہترین ترجمہ۔ جسے سید رضوان علی ندوی نے پیش کیا ہے۔ قیمت تین روپے۔

پندرہ روزہ الحسنات رامپور کا

بارہواں سالنامہ

انتخاب نمبر

جو الحسنات کے پندرہویں سال کی ابتدا پر ان شاء اللہ جنوری ۱۹۶۱ء کے پہلے ہفتہ میں شائع ہو رہا ہے۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اب تک کے تمام خاص نمبروں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔ اس میں الحسنات میں شائع شدہ مضامین کا بہترین **انتخاب** پیش کیا جائے گا۔ اگر آپ کی مدت خریداری اس سے پہلے ختم ہو رہی ہے تو نیا چندہ بھیجنے میں جلدی فرمائیں۔ احباب کو خریداری کے لیے متوجہ فرمائیں۔ انتخاب نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہوگی لیکن سالانہ خریداروں کو اُن کے چندے میں ہی دیا جائے گا۔ سالانہ چندہ ساڑھے پانچ روپے۔ ایجنٹ حضرات اپنی مطلوبہ تعداد سے فوراً مطلع فرمائیں۔

پاکستانی قدردان اپنا چندہ صوفی نور احمد صاحب شفیق منزل گڑھی شاہو، لاہور، کے پتہ پر بھیج کر ہمیں اطلاع دے دیں۔

محمد عبدالحی پرنٹر و پبلشر نے ناظم پریس رام پور میں چھپوا کر دفتر الحسنات رام پور سے شائع کیا۔

Only Title Printed at Shanker Press, Rampur.